بین الاقوامی اسلامی کانفرنس

پانچ روز کی ڈائری

محمد تقی عثمانی

۹ ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ مطابق ۹ فروری ۱۹۶۸ء

رمضان المبارک سے شہرہ ہے کہ فروری میں وزارت قانون کی طرف سے ایک عالمی کانفرنس ..... منعقد ہو رہی ہے جس کے لئے دنیائے اسلام کے ہر گوشے سے اہم شخصیتوں کو مدعو کیا گیا ہے، کانفرنس کا پروگرام اور اس کے زیر غور موضوعات بڑے دلچسپ ہیں۔ اس کانفرنس کا افادی پہلو تو یہ ہے کہ اس میں بعض ایسے مسائل پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے جو تقریباً پورے عالم اسلام میں عرصے سے زیر بحث چلے آرہے ہیں، لیکن ساتھ ہی چونکہ اس کانفرنس کا انعقاد "ادارہ تحقیقات اسلامی" کی جانب سے ہو رہا ہے جس نے اپنی اب تک کی کارگزاریوں سے عوام میں سخت بے اعتمادی پیدا کر دی ہے۔ اس لئے عام ذہنوں میں یہ خلش بھی بڑی شدت کیساتھ محسوس ہو رہی ہے کہ ؏

ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

کانفرنس ۱۰ فروری سے ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل میں شروع ہونیوالی [illegible] اور چار دن جاری رہیگی۔ صبح کو ۹ بجے سے ایک بجے تک کھلے اجلاسات رکھے گئے ہیں، جن میں مختلف علمی موضوعات پر مقالے پڑھے جائیں گے۔ اور شام کو دو بجے سے بند کمروں میں مخصوص کمیٹیوں کے اجلاسات ہوں گے جن میں عائلی قوانین، بینکاری، اور [illegible] کے بنیادی حقوق کے مسائل پر غور و فکر کیا جائے گا۔

میں جب کل شام (۸ فروری کو) راولپنڈی پہنچا تو عبوری دارالحکومت مسلسل بارشوں کی بنا پر برفستان بنا ہوا تھا، شہر کے پڑھے لکھے حلقوں میں ہونے والی کانفرنس عام موضوع بحث تھی، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پورا شہر اس کے لئے سراپا انتظار ہے۔ کل کی رات تو کراچی کے مرنجان مرنج موسم کو یاد کرتے ہی گذر گئی آج صبح سویرے کانفرنس کے بہت سے مندوبین راولپنڈی پہنچنے والے تھے۔ جن میں میرے کئی بزرگ اور کئی دوست بھی شامل تھے۔ اس لئے صبح ناشتہ کرتے ہی ہم چکلالہ کے ہوائی اڈے پہنچ گئے۔ ٹھیک پونے نو بجے پی آئی اے کا طیارہ زمین پر اترا، غیر ملکی مندوبین میں سے مفتی اعظم فلسطین الحاج محمد امین الحسینی مفتی اعظم تاشقند جناب ضیاء الدین بابا خانوف، شام کے شیخ احمد کفتارو، تیونس کے جناب کمال التارزی۔ ترکی کے ڈاکٹر ذکی ولیدی طوغان، لبنان کے ڈاکٹر عمر فروخ وغیرہ سے وی آئی پی روم میں ملاقات ہوئی۔ اور پاکستانی علماء میں سے حضرۃ الشیخ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری دامت برکاتہم اور جناب مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی وغیرہ بھی اسی جہاز سے تشریف لائے تھے۔

ان حضرات کے استقبال کے لئے حضرت مولانا قاسم الشیخ صاحب مدظلہم مہتمم دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی بھی ہوائی اڈے پر موجود تھے۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب دامت برکاتہم نے ان سے وعدہ کرلیا کہ وہ جمعہ کی نماز ان کے مدرسہ میں پڑھائیں گے اس کے بعد ان کی دعوت پر مفتیٔ اعظم فلسطین نے بھی وہیں پر جمعہ کی نماز پڑھنا منظور کرلیا۔

مدرسہ تعلیم القرآن میں چنانچہ دوپہر کے کھانے کے بعد میں مفتیٔ اعظم فلسطین کے ہمراہ دارالعلوم تعلیم القرآن کی جامع مسجد میں پہنچا، حضرت مولانا بنوری صاحب مدظلہم خطاب فرمارہے تھے، میں نے ہوٹل سے تیونس کے جناب کمال التارزی کو بھی ساتھ لے لیا تھا نماز جمعہ کے بعد انہوں نے ایک پُرجوش تقریر کی اور المیہ بیت المقدس کے اسباب یاد دلاکر بے شمار آنکھوں کو اشکبار کردیا، مفتی صاحب نے دعا کرائی اور اس کے بعد حضرت مولانا غلام اللہ خاں صاحب ہم سب کو اپنے مہمان خانے میں لے گئے، جہاں اطراف واکناف کے بہت سے اہل علم جمع تھے، تقریر کا کوئی پروگرام نہ تھا، مگر انہیں دیکھ کر مفتی صاحب کی طبیعت خطاب کے لئے خود بخود آمادہ ہوگئی۔ انہوں نے فرمایا کہ:

"مسلمانوں کا زوال خلافت عثمانیہ کے سقوط سے شروع ہوا ہے۔ دشمنان اسلام کے عیارانہ حربے مسلمانوں کے اتحاد کو اس بری طرح پارہ پارہ کردیا کہ وہ ان گنت ٹکڑوں میں بٹ گئے۔"

انہوں نے کہا کہ خلافتِ عثمانیہ کے بعد پاکستان ایک ایسی اسلامی مملکت ہے جو خالصۃً اسلام کے نام پر وجود میں آئی ہے اور اس وقت پورے عالم اسلام کی نگاہیں اس پر لگی ہوئی ہیں۔ دشمنان اسلام کو یہ بات بہت کھلتی ہے اور وہ اس فکر میں ہیں کہ کسی طرح اس ملک میں قومی اور صوبائی تعصب کا فتنہ جگاکر اس کی مثالی وحدت کو توڑ دیں۔

انہوں نے کہا کہ آپ حضرات کو میری آخری وصیت یہ ہے کہ کسی قیمت پر اس دام فریب میں نہ آئیں، اور قومیت و وطنیت کے بت کو اپنی آستینوں میں جگہ نہ دیں۔

دینی مدارس کا کردار اس کے بعد انہوں نے برصغیر کے دینی مدارس کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ان سادہ گر باوقار درسگاہوں نے انگریزی استعمار کے تاریک دور میں دین کی شمع روشن رکھنے کی جو عظیم خدمت انجام دی ہے وہ ناقابل فراموش ہے، مجھے ان درسگاہوں کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دشمنان اسلام اس وقت دین کے خلاف جو ثقافتی جنگ لڑ رہے ہیں، یہ مدارس اس جنگ میں دین کے مضبوط حصار بنے ہوئے ہیں۔ اور انہیں ہر اعتبار سے مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی ضرورت ہے۔

عصر تک مفتی صاحب اسی موضوع پر خطاب فرماتے رہے۔ عصر کے بعد ہم لوگ واپس ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل پہنچے تو وہاں کانفرنس کے مزید بہت سے مندوبین پہنچ چکے تھے۔ نیچے کی منزل میں دو کمرے نماز کے لئے مخصوص کر دیئے گئے تھے، میں مغرب کی نماز کے لئے اپنے کمرے سے نیچے اترا تو ہوٹل کا لانج مہمانوں سے بھرا ہوا تھا، نماز کے بعد حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رملتان مدظلہم سے بھی ملاقات ہوئی۔ یہ دونوں حضرات بھی شام کے طیارے سے یہاں پہنچے تھے۔ متحدہ عرب جمہوریہ کے ڈاکٹر محمود فتح اللہ حسب اللہ رئیس مجمع البحوث الاسلامیہ اور جامعۃ الازہر کے مدیر جناب باقوری بھی آچکے تھے، پھر رات گئے تک ملکی وغیر ملکی مندوبین سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

---

۱۰ ذیقعدہ ۱۳۹۹ھ

آج صبح ناشتہ کے بعد پروگرام کے مطابق مندوبین کو ٹیکسلا جانا تھا، لیکن مجھے شہر میں کچھ کام تھا، اس لئے میں ٹیکسلا کے بجائے راولپنڈی چلا گیا، سہ پہر کو دو بجے کے بعد جب میں ہوٹل پہنچا تو کانفرنس

افتتاح کی تیاریاں ہو رہی تھیں، ہم نماز اور کھانے سے فارغ ہوتے ہوتے تین بج گئے، تمام مندوبین اپنے اپنے کمروں سے نیچے اتر کر لاؤنج میں جمع ہو رہے تھے، ہوٹل کے باہر وسیع لان میں خوبصورت شامیانوں کے نیچے افتتاح کی تقریب ہونے والی تھی، اصل پروگرام کے مطابق صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں صاحب کو اس تقریب کا افتتاح کرنا تھا، لیکن علالت طبع کی بنا پر ان کی جگہ قومی اسمبلی کے اسپیکر جناب عبدالجبار خاں صاحب افتتاح کے لئے تشریف لا رہے تھے۔

ہوٹل کے دروازے پر مرکزی وزیر قانون سید محمد ظفر صاحب شیروانی اور شلوار میں ملبوس مندوبین کو خوش آمدید کہہ رہے تھے تمام مندوبین کو یہیں جمع ہو کر جلوس کی شکل میں جلسہ گاہ تک پہنچنا تھا۔

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم اپنی علالت طبع کی بنا پر ابتک راولپنڈی نہیں پہنچ سکے تھے، اور آج سوا چار بجے کے طیارے سے تشریف لا رہے تھے، اس لئے میں ایئر پورٹ چلا گیا اور جب حضرت والد صاحب کے ساتھ واپس آیا تو افتتاح کی رسمی تقریب ختم ہو چکی تھی، محب محترم مولانا سمیع الحق صاحب مدیر ماہنامہ الحق کی زبانی معلوم ہوا کہ اس تقریب میں مختلف اسلامی ممالک کے سربراہوں کے پیغامات سنائے گئے، وزیر قانون جناب سید محمد ظفر صاحب نے خطبۂ استقبالیہ دیا۔ صدر مملکت کا پیغام پڑھ کر سنایا گیا، اور قومی اسمبلی کے اسپیکر جناب عبدالجبار خاں صاحب نے تقریر کی۔

پہلا اجلاس

نماز مغرب کے بعد کانفرنس کا پہلا اجلاس ...... ہوٹل کے ہال میں شروع ہوا۔ اس ہال کے مغربی کنارے پر ایک پُرشکوہ اسٹیج بنایا گیا تھا جس کے اوپر ایک مخملیں بینر پر موٹے موٹے حروف میں "انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" لکھا ہوا تھا، مشرقی جانب میں مندوبین کی کرسیاں ہال کے آخری سرے تک بچھی ہوئی تھیں جن پر تقریباً تین سو افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی، جونہی اجلاس شروع ہوا تمام کرسیاں پُر ہوگئیں، اور بہت سے لوگ نہ صرف ہال کے اندر بلکہ باہر کاریڈر میں بھی کھڑے رہ گئے۔ آج کے اجلاس کا موضوع تھا "اسلام میں عقل کا کردار" مفتی اعظم فلسطین الحاج محمد امین الحسینی صدارت کر رہے تھے، اور جسٹس ایس۔ اے رحمان، پاکستان اور جناب ڈاکٹر حسین نصر (ایران) شریک صدر تھے، پڑھے جانے والے مقالوں پر تنقید کرنے کے لئے خود منتظمین کی طرف سے کچھ افراد نامزد کر دیئے گئے تھے، چنانچہ آج کے ناقد پروفیسر ایس۔ ایم یوسف (کراچی یونیورسٹی) اور جناب ابوالہاشم (ڈھاکہ) تھے۔

عقل جزئی

مقالوں کا آغاز ایران کے نوجوان مندوب ڈاکٹر حسین نصر نے کیا، انہوں نے اپنے انگریزی مقالے کی ابتدا بسم اللہ اور نستعین کے بعد ان الفاظ کے ساتھ کی۔

"اس وقت اسلامی دنیا کے مختلف حصوں میں خطرناک ترین رجحان یہ ہے کہ بہت سے لوگ مغرب کے مقبول عام نظریات کو جوں کے توں لیکر ان کے ساتھ "اسلامی" کا لفظ لگا دیتے ہیں "اسلامی جمہوریت"، "اسلامی سوشلزم" اور "اسلامی عقلیت" کی اصطلاحیں اسی طرح وجود میں آئی ہیں، اور یہ درحقیقت اسلام کے ساتھ نادان دوستی ہے"

انہوں نے تالیوں کی گونج میں اس "نادان دوستی" کے مہلک نقصانات پر روشنی ڈالی، اور فاضلانہ انداز میں "عقلیت پرستی" (Rationalism) اور معقولیت و ذہانت (Intelligence and Logic) کا فرق واضح کیا، انہوں نے کہا کہ اسلام ایک معقول مذہب ہے اور ذہانت سے کام لینے کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن مغرب کی نام نہاد عقلیت پرستی کی اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے جو انسان کو نری عقل کا غلام اور عقل کو حق و صداقت کا واحد معیار بنانا چاہتی ہے اور اس کے مقابلہ میں وحی کی ابدی صداقتوں کا انکار کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتی، یہ عقل "عقل سلیم" نہیں ہے، بلکہ وہ عقل

...ی ہے جس کے بارے میں مولانا رومؒ نے کہا ہے کہ ؎

عقل جزوی عقل را بدنام کرد

ڈاکٹر حسین نصر کے مقالے پر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ حاضرین کے دل کی دھڑکنوں کی ترجمانی کر رہے ہیں ان کے مقالے کو بیحد سراہا گیا اور اس کے مفکرانہ مضامین اور موثر انداز بیان نے حاضرین کے دل موہ لئے۔

ان کے بعد سوڈان کی ام درمان یونیورسٹی کے پروفیسر ابوبکر الخلیفہ آئے تو انھوں نے صاف لفظوں میں کہا کہ اسلام میں اجتہاد کی گنجائش ضرور ہے لیکن نصوص قرآن وسنت کے مقابلے میں اجتہاد کا کوئی مقام نہیں، اور اجتہاد کی اجازت صرف ان مسائل میں ہے جن میں قرآن وسنت کی کوئی صراحت موجود نہ ہو۔

اجتہاد اور قرآن وسنت

اس کے بعد کسی قدر ہیل وحجت کے بعد جناب جعفر شاہ صاحب پھلواروی پاکستان ڈائس پر نظر آئے۔ ان کا لکھا ہوا مقالہ گم ہوگیا تھا اس لئے انھوں نے زبانی ہی اپنے خیالات پیش کئے۔ وہ انسانی عقل کی برتری کو ثابت کرتے ہوئے اجتہاد کے موضوع پر آگئے۔ اور اجتہاد کی اجازت کو عام کرتے ہوئے فرمایا کہ

"نصوص قرآن وسنت کے مقابلے میں بھی اجتہاد کی گنجائش ہے"

پھر انھوں نے علماء دین پر غیر سنجیدہ انداز میں طعن وتشنیع شروع کردی کہ

"انھوں نے اجتہاد کے دروازے بند کردیئے ہیں حالانکہ سود وغیرہ کے معاملات میں آج اجتہاد کی شدید ضرورت ہے"

غرض انھوں نے فرمایا کہ

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سے فیصلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کئے تھے، اور جب وہ آپ کے خلاف فیصلے کرسکتے ہیں تو ہم ان کے خلاف فیصلے کیوں نہیں کرسکتے؟"

احتجاج

اس جملے پر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری دامت برکاتہم سے نہ رہا گیا وہ اپنی نشست سے اٹھے، اور بلند آواز میں مفتی اعظم فلسطین سے خطاب کرتے ہوئے کہا

"جناب صدر! مقرر کو اس گستاخی سے منع فرمایئے وہ حضرت عمرؓ کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں؟"

حضرت مولانا مدظلہم کے اس ارشاد پر مجمع میں سے بہت سی آوازیں ان کی تائید میں بلند ہوئیں، لوگوں نے اٹھ اٹھ کر احتجاج شروع کردیا اور تھوڑی دیر کے لئے مقرر کا تسلسل ٹوٹ گیا، اس پر مفتی اعظم فلسطین نے فرمایا:

"مقرر کی تقریر پوری ہوجانے دیجئے، پھر جو صاحب اس پر تنقید کرنا چاہیں وہ اپنے نام اسٹیج پر بھیجدیں۔ بعد میں تنقید کا موقع دیا جائے گا"

اس اعلان پر مجمع پرسکون ہوگیا۔ اور تین مندوبین نے تنقید کے لئے اپنے نام بھجوادیئے۔ جناب ڈاکٹر حبیب اللہ صاحب (متحدہ عرب جمہوریہ) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری (کراچی)، اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحب (ملتان) ——— اس کے بعد جناب جعفر شاہ صاحب نے چند جملے مزید ارشاد فرمانے کے بعد تقریر ختم کردی۔

اس کے بعد جناب مسعود انصاری نے سائنس اور اسلام کے موضوع پر ایک مختصر مقالہ پڑھا۔

تنقیدیں

اب مجلس کے مقررہ ناقدین میں سے جامعہ کراچی کے جناب ڈاکٹر محمد یوسف صاحب ڈائس پر آئے، اور انھوں نے بڑے معتدل اور بچے تلے انداز میں اجتہاد کے بارے میں اپنی رائے پیش کی، انھوں نے کہا کہ عقل خالص کے استعمال کا صحیح موقع اسلام کو قبول کرنے سے قبل ہے، لیکن جب کوئی شخص اسلام کو مطابق عقل پاکر اسلام قبول کرلے تو اب اصل چیز اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بن جاتی ہے۔ اور عقل اس کے تابع ہے، اس کے باوجود اسلام میں اجتہاد کا دروازہ خاص شرائط کے ساتھ کھلا رکھا گیا ہے، لیکن یہ دروازہ ان لوگوں کیلئے قطعی طور پر بند ہے جو دین کے اجماعی مسلمات پر دست درازی کرنیکے

کے کپڑے اتار کر اس دروازے میں داخل ہونا چاہتے ہوں۔

ان کے اس آخری جملے پر ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

ان کے بعد مشرقی پاکستان کے مسٹر ابوالہاشم صاحب نے انگریزی میں فی البدیہہ تقریر کی۔ اور عام تاثرات کے برخلاف خاصے متوازن خیالات پیش کئے۔ انہوں نے کہا کہ

> اسلام میں اجتہاد کی بلاشبہ اجازت دی گئی ہے۔ لیکن اس کے کچھ اصول وضوابط اور شرائط و آداب ہیں جن کا لحاظ رکھے بغیر اسلام کے تقاضوں کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔

اب ان ناقدین کی باری تھی جنہوں نے اپنے نام بھجوائے تھے۔ سب سے پہلے جامعۃ الازہر (متحدہ عرب جمہوریہ) کے رئیس مجمع البحوث الاسلامیہ ڈاکٹر محمود فتح اللہ حب اللہ جناب جعفر شاہ صاحب پھلواروی کے مقالے پر تنقید کرنے کے لئے آئے، انہوں نے نہایت سنجیدہ اور متین انداز میں جعفر شاہ صاحب کے خیالات کا عالمانہ انداز میں جواب دیا۔ جن احادیث سے انہوں نے استدلال کرنے کی کوشش کی تھی ان کے معانی اور اسناد پر تبصرہ کیا، اور آخر میں کہا کہ

> اجتہاد کا مقام قرآن وسنت کی صراحتوں کے بعد آتا ہے، اور اس کے بھی کچھ حدود اور شرائط ہیں، اجتہاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ "عقل انسانی" کو مادر پدر آزاد کر کے قرآن وسنت کو اس کے تابع بنا دیا جائے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن مسائل میں قرآن وسنت کی کوئی تصریح نہیں ملتی، ان میں قرآن وسنت ہی کے بیان کردہ اصولوں سے اس طرح احکام مستنبط کئے جائیں کہ اس سے دین کی بنیادی اقدار مجروح نہ ہونے پائیں"

ڈاکٹر حب اللہ کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہم اسٹیج پر تشریف لائے، موصوف نے "اجتہاد" کے موضوع پر ایک فاضلانہ مقالہ تحریر فرمایا تھا، لیکن چونکہ آپ کانفرنس شروع ہونے سے کچھ ہی پہلے عمرہ کے سفر سے واپس تشریف لائے تھے، اس لئے مقررہ وقت میں اسے کانفرنس کے منتظمین تک نہ پہنچا سکے تھے۔ بنا بریں وہ مقالہ مجلس میں پڑھا نہ جا سکا؛ البتہ اس کی سائیکلو اسٹائل شدہ کاپیاں مندوبین میں تقسیم کر دی گئیں۔ اس وقت مولانا نے اس مقالہ کا خلاصہ زبانی بیان فرماتے ہوئے "اجتہاد" کی حجیت اور اس کے شرائط و آداب کو مختصراً واضح فرمایا، اور موجودہ دور میں اجتہاد کے اصول و قواعد بیان فرمائے۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے بھی تنقید کے لئے اپنا نام بھجوایا تھا، لیکن اب تک مسئلے کی اس قدر بھرپور اور جامع توضیح ہو چکی تھی کہ انہوں نے مزید گفتگو کی ضرورت نہ دیکھتے ہوئے اپنا نام واپس لے لیا۔ اور اس طرح کانفرنس کا پہلا کھلا اجلاس ختم ہوگیا۔

۱۱ ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ

آج کے کھلے اجلاس کا موضوع تھا: "امن عالم میں اسلام کا حصہ" تاشقند کے مفتی ضیاء الدین بابا خانوف صدر محفل تھے۔ اور شام کے شیخ احمد کفتارو اور مشرقی پاکستان کے جسٹس سید محبوب مرشد شریک صدر کی حیثیت سے ان کے دائیں اور بائیں بازو پر بیٹھے ہوئے تھے، پاکستان کے پروفیسر ابوبکر حلیم اور خواجہ سرور حسن صاحب کو ناقد مقرر کیا گیا تھا۔ اجلاس کا موضوع بہت سادہ سا تھا، کوئی بحث طلب بات نہ تھی، اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا تھا کہ ؎

مزدکی ہو کہ فرنگی، ہوس خام میں ہے
امن عالم تو فقط دامن اسلام میں ہے

اس لئے ناقد حضرات کو کسی تنقید کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔

مفتیٔ اعظم فلسطین، مراکش کے عبدالرحمن الدکالی، شام کے شیخ احمد کفتارو، ملائشیا کے ڈاکٹر ایس۔ اے حسن، سعودی عرب کے شیخ حسن کتبی اور پاکستان کے پیر صاحب دیول شریف اور بریگیڈیئر گلزار احمد صاحب نے مقالے پڑھے، بعض مقررین نے

نظریۂ قومیت کی بھی تردید کی۔ اور ایک بجے کے بعد یہ اجلاس بھی برخاست ہو گیا۔

آج دو بجے کے بعد سے بند کمروں میں جلسہ ہائے مضامین کے اجلاسات بھی شروع ہونے تھے۔ اس پروگرام کے لئے تین کمیٹیاں بنائی گئی تھیں، پہلی کمیٹی عائلی قوانین کے مسائل پر غور کرنے کے لئے بنائی گئی تھی اور اس میں مندرجۂ ذیل حضرات شامل ہوئے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، حضرت مولانا مفتی محمود صاحب (ملتان) علامہ علاؤ الدین صدیقی، حضرت مولانا راغب احسن صاحب (مشرقی پاکستان)، حضرت مولانا مفتی جعفر حسین صاحب مجتہد پروفیسر نشاط چغتائی (ترکی) جناب جعفر شاہ صاحب پھلواروی جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب، جناب محمد مسعود صاحب (ناظم اعلیٰ اوقاف مغربی پاکستان) جناب کرم شاہ صاحب (مشرقی پاکستان) اور جناب ابو الہاشم صاحب (مشرقی پاکستان)

مولانا غلام مرشد صاحب کو اس کمیٹی کا چیرمین بنایا گیا تھا۔

دوسری کمیٹی "بنیادی انسانی حقوق و فرائض" سے متعلق تھی جسٹس سید محبوب مرشد اس کے چیرمین تھے۔ اور مندرجہ ذیل حضرات ارکان پروفیسر ذکی ولیدی طوغان (ترکی)، پروفیسر لے بی اے علیم (پاکستان)، شیخ منصور المجوب (لیبیا)، شیخ حسن کتبی (سعودی عرب) ڈاکٹر حسین نصر (ایران)، شیخ عبد الرحمٰن الدکانی (مراکش)، مسٹر عمر فروخ (لبنان)، اور ڈاکٹر سراج الحق (پاکستان)

تیسری کمیٹی کا موضوع "بنکاری اور بیمہ" تھا، اس کے چیرمین جناب ممتاز حسن صاحب تھے اور حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی (پاکستان)، جناب یعقوب شاہ صاحب (پاکستان) شیخ احمد نغار (شام)، ڈاکٹر جواد علی (عراق)، مسٹر کمال التازی (تیونس) پروفیسر ابوبکر الخلیفہ (سوڈان)، مسٹر ایس اے حسن (ملائشیا)، ڈاکٹر زنجب (متحدہ عرب جمہوریہ) اور جناب عبد القدوس صاحب وغیرہ اس کے ممبر تھے

[illegible]

میں سرگرداں پائے گئے۔ باقی دو کمیٹیاں شام پانچ بجے تک بحث کرتی رہیں، ان کا فیصلہ کن اجلاس کل ہی ہو سکے گا۔

اسلام آباد میں

شام کے وقت مندوبین کو اسلام آباد دکھانے کا پروگرام تھا، چنانچہ پانچ بجے سے کچھ پہلے پورا قافلہ ہوٹل سے روانہ ہوا اور تقریباً نصف گھنٹے کے دلچسپ سفر کے بعد اسلام آباد پہنچ گیا۔ پاکستان یہ نوزائیدہ دار الحکومت ہمالیہ کی گود میں بڑے قرینے سے پروان چڑھ رہا ہے، اور ان شاء اللہ اپنے عہد شباب میں دنیا کے خوبصورت ترین شہروں میں سے ہوگا، اس علاقے کو قدرت نے صحت افزا آب و ہوا اور فطری مناظر سے مالا مال کیا ہے، مشرق میں ہمالیہ کی قدرتی فصیلیں اس کے حسن اور شکوہ میں بے پناہ اضافہ کرتی ہیں اور جنوب میں راول بند کی تعمیر نے اس کی شادابی کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے۔ یہاں پہنچکر مجھے بے ساختہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا یاد آگئی۔

رب اجعل هذا البلد آمنا واجنبني وبني أن نعبد الأصنام۔

میرے پروردگار! اس شہر کو پُر امن بنا، اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے محفوظ رکھ

میں دعا کرتا رہا کہ خدا کرے یہ شہر صحیح معنوں میں "اسلام آباد" بنے، اور پتھر کے بتوں کے علاوہ باطل نظریات، خواہشات نفس اور ہر قسم کے بتوں کی پرستش سے محفوظ رہے، آمین!

اسلام آباد پہنچکر ہم نے سب سے پہلے ہوٹل شہرزاد کے لان میں نماز عصر ادا کی، نماز کے بعد ایک ذمہ دار آفیسر نے اسلام آباد کا نقشہ سمجھایا، مغرب سے ذرا پہلے ہم سیکرٹریٹ پہنچے، جو اس وقت اسلام آباد کی حسین ترین عمارت ہے، اور بلاشبہ نہایت خوش ذوقی سے بنائی گئی ہے۔ نماز مغرب جامع مسجد میں ادا کی، نماز کے بعد تیونس کے جناب کمال التازی نے جشن نزول قرآن کے موضوع پر تقریر کی اور کہا کہ

"اس جشن کا مطلب یہ نہیں کہ ہم کچھ میلے اور

اجتماعات منعقد کر کے فارغ ہو جائیں، بلکہ اس جشن کا تقاضا یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے کہ اس نے قرآن کریم کو کس حد تک اپنی زندگی میں اپنایا ہے، اس کی کتنی تعلیمات پر عمل کیا ہے۔ اور کتنی ہدایات سے روگردانی کی ہے۔

ہمارے پاکستانی عوام عملی اعتبار سے خواہ کسی مقام پر ہوں لیکن اسلام کی محبت ان کی رگ و پے میں سمائی ہوئی ہے۔ مراکش سے لیکر انڈونیشیا تک کے مسلمانوں کو یکجا دیکھ کر وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے، چنانچہ آج بھی ان کی خوشی کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ وہ اپنے مہمانوں کی زبان سے ناواقف تھے لیکن محبت زبان و بیان کی محتاج نہیں ہوتی، ان کے دمکتے ہوئے چہروں کی مسکراہٹ اپنے بھائیوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ اور ان کی محبت بھری نگاہوں سے اپنائیت کا دلنواز پیغام سنائی دے رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد یہ قافلہ جامع مسجد سے اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ گیا اور اس کے دفاتر اور کتب خانے کا معائنہ کرنے کے بعد راولپنڈی واپس آگیا۔

۱۲ر ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ

آج کے اجلاس کا موضوع تھا: "اسلام کا عادلانہ نظام" جامعۃ الازہر کے مدیر باقوری صدر محفل تھے اور ترکی کے ڈاکٹر زکی ولیدی طوغان اور اسلام آباد یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر رضی الدین صدیقی شریک صدر کی حیثیت سے ان کے پہلو میں بیٹھے تھے، تلاوت کلام پاک کے بعد سب سے پہلے ڈاکٹر زکی ولیدی طوغان نے اپنا مقالہ پڑھا، ان کے پڑھنے کا لہجہ کچھ ایسا تھا کہ کافی دیر کے بعد ہمیں علم ہو سکا کہ یہ انگریزی میں پڑھا جا رہا ہے۔ اور اس کے بعد ابھی ہم مقالے کو سمجھنے کی کوشش کر ہی رہے تھے کہ وہ ختم ہو گیا۔

تقسیم دولت

اس کے بعد میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ڈائس پر تشریف لائے ان کے مقالے کا عنوان تھا: "اسلام کا نظام تقسیم دولت"

اس مقالے میں سرمایہ داری، اشتراکیت اور اسلام کے نظریۂ تقسیم دولت کا خالص فنی انداز میں موازنہ کیا گیا تھا، اور اس ضمن میں اسلامی تعلیمات کو ایک بالکل اچھوتے انداز میں پیش کرتے ہوئے سود کی حرمت، مسئلہ ملکیت اور آجر و اجیر کے تعلقات کی اسلامی نوعیت کو واضح کیا گیا تھا۔ مقالہ تقریباً نصف ہوا ہوگا کہ ڈاکٹر رضی الدین صاحب نے وقت کی تنگی کے پیش نظر مقالہ کو مختصر کرنے کی فرمائش کی لیکن سامعین نے۔ جو مقالے کو بڑی دلچسپی کے ساتھ سن رہے تھے —— بلند آواز کے ساتھ صاحب صدر سے درخواست کی کہ "مقالہ پورا سنایا جائے" چنانچہ اس کے بعد حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے اپنا مقالہ پورا ہی سنایا۔ مقالے کے دوران بار بار تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہوتی رہیں۔ اور جس وقت حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے انفرادی ملکیت کے بارے میں اسلام کی روش بیان فرمائی اور حرمت سود کے معاشی دلائل بیان کئے تو ہر موقعہ پر ہال دیر تک تالیوں سے گونجتا رہا۔

مقالہ اگرچہ اردو میں تھا، لیکن عرب مہمان جا بجا قرآن کریم کی آیتوں اور اردو میں استعمال ہونے والے عربی الفاظ کی مدد سے اس کا مفہوم کسی قدر سمجھ رہے تھے۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب مدظلہم جب مقالہ پڑھ کر فارغ ہوئے تو صدر محفل "مدیر الازہر جناب باقوری" نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"واللہ، علمٌ غزیر!"

اس کے فوراً بعد چائے کا وقفہ ہو گیا، اس وقفے میں عام موضوع گفتگو یہی مقالہ تھا، اور میں نے نمایاں طور پر محسوس کیا کہ اس مقالے نے حاضرین محفل پر غیر معمولی تأثر چھوڑا ہے، اجلاس کا دوسرا دور شروع ہوا تو میں نے حضرت والد صاحب مدظلہم کی علالت اور ضعف کے پیش نظر ان سے درخواست کی کہ اب وہ کمرے میں تشریف لے جائیں تاکہ دو بجے کی مجلس سے پہلے کچھ آرام کا موقعہ مل جائے چنانچہ وہ اس کے بعد کمرے میں تشریف لے گئے۔

میں محترم مولانا سمیع الحق صاحب (مدیر الحق) کے ہمراہ جب دوبارہ کانفرنس ہال میں داخل ہوا تو کویت کا ایک

وزیر جناب رفاعی تقریر کر رہے تھے، انھوں نے اپنی تقریر میں ایک بین الاسلامی ادارہ قائم کرنے کی تجویز پیش کی جو اسلامی ممالک کے درمیان علمی، معاشرتی اور اقتصادی تعاون کو فروغ دے سکے۔

انفرادی ملکیت

ان کی تقریر ختم ہوئی تو مغربی پاکستان میں محکمۂ اوقاف کے ناظم اعلیٰ جناب محمد مسعود صاحب نے اپنا مقالہ پڑھنا شروع کیا۔ میں اس عجیب "اتفاق" پر حیران تھا کہ اردو کے وہ سرگرم پرستار جو نماز تک اردو میں پڑھنے کے قائل ہیں، اپنا مقالہ انگریزی میں پڑھ رہے تھے، پھر مقالہ کا مرکزی خیال تو یہ تھا کہ اسلام میں انفرادی ملکیت ناجائز ہے، اور اسلام کی تعلیم (سوشلزم کی طرح) یہ ہے کہ تمام اراضی حکومت کی ملکیت ہوں؟ لیکن اس موضوع پر آنے سے قبل نہ جانے کس مصلحت سے انھوں نے علماء دین کو کچھ صلاحیاں سنانا ضروری سمجھا۔

یہ اندازِ گفتگو-؟!

چنانچہ اپنے مقالہ کی طویل تمہید میں انھوں نے علماء کے خلاف نہ صرف الفاظ، بلکہ لہجے اور دست و بازو کی حرکات سے بھی اپنے غیظ و غضب کا اظہار فرمایا۔ ان کے جذباتی — بلکہ کافی حد تک "تمثیلی" — اندازِ خطابت نے اس سنجیدہ علمی محفل کو بڑا "دلچسپ" بنا دیا۔ اور تھوڑی دیر کے لئے ہال میں موجود افراد "سامعین" سے زیادہ "ناظرین" بن گئے۔

پھر جناب محمد مسعود صاحب نے انفرادی ملکیت کے خلاف قرآن کریم کی کچھ آیات سے استدلال کیا، اور اس کے بعد کچھ احادیث پیش کیں، اس گفتگو کے دوران وہ حضرت رافعؓ بن خدیجؓ کا نام بار بار "رَافِعَۃ بِنْ خُدَیْجْ" پڑھ رہے تھے۔ اور حضرت بلال حبشیؓ کو "بُلالِ حبشی" فرما رہے تھے، اس پر حاضرین میں سے کسی صاحب نے بلند آواز سے کہا:

"جناب! صحابہؓ کا نام صحیح پڑھئے، یہ رافعہ نہیں رافعؓ ہیں۔ اور بُلالؓ نہیں، بِلالؓ ہیں"

اس اعتراض پر موصوف کو شدت سے پیاس محسوس ہوئی اور انھوں نے منتظمین سے پانی کی فرمائش کی، ان کے پانی مانگنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ حاضرین سے ہنسی ضبط نہ ہو سکی اور چند لمحوں کے لئے محفل کشتِ زعفران بن گئی۔

پانی پی کر انھوں نے پھر مقالہ پڑھنا شروع کیا۔ ایک مقام پر پہنچ کر انھوں نے کہا کہ:

"اس موضوع پر میں نے اور بھی بہت سے دلائل دیئے تھے، مگر اختصار کے پیشِ نظر انھیں چھوڑ رہا ہوں۔"

اس پر مجمع سے ایک آواز بلند ہوئی:

"اس احسان پر ہم آپ کے شکرگزار ہیں"

مقالہ کے اختتام پر انھوں نے چیلنج دینے کے انداز میں ہاتھ بلند کیا، اور تین مرتبہ زور دے کر یہ الفاظ دہرائے کہ

"هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا؟"

(تمہارے پاس کچھ علم ہے؟ تو نکال کر لاؤ)

چیلنج دینے کی اس ادا پر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ یہ کوئی علمی اور تحقیقی کانفرنس ہے یا بازاری مناظروں کا اکھاڑہ؟

ہنگامہ

اس موقع پر حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے کھڑے ہو کر صدرِ محفل سے تنقید کی اجازت طلب کی، شریک صدر جناب رضی الدین صدیقی صاحب نے وقت کی تنگی کا عذر پیش کیا تو سامعین پکار اٹھے کہ اس مقالہ پر تنقید کا وقت ضرور ملنا چاہئے۔ بار بار کے اصرار پر صدرِ محفل جناب باقوری نے کہا کہ اگر حاضرین کی اکثریت تنقید کا مطالبہ کرتی ہے تو تنقید کا وقت دیدیا جائے گا۔ اس پر ہر طرف آوازیں اٹھنے لگیں کہ تنقید ضرور کرائی جائے۔ لیکن جناب ڈاکٹر رضی الدین صاحب صدیقی نے اس کے بعد تنقید کے بجائے یہ اعلان کر دیا کہ:

"جناب ممتاز حسن صاحب اپنا مقالہ پیش فرمائیں"

اس اعلان پر سامعین کا مطالبہ پہلے احتجاج اور چند لمحوں کے بعد اشتعال میں تبدیل ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے

لوگ کرسیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اگلی صف میں بیٹھے ہوئے ایک مندوب تو کچھ زیادہ ہی برافروختہ ہوگئے۔ اور انھوں نے نشست سے اٹھ کر جناب محمد مسعود صاحب کے حق میں نہایت بامحاورہ اردو استعمال کرنی شروع کردی، ان کی آواز پورے ہال میں سب سے نمایاں تھی، انھیں وزیر قانون جناب ایس۔ ایم ظفر صاحب نے بڑی مشکل سے ٹھنڈا کیا، لیکن اس عرصہ میں اجلاس کا نظم تقریباً درہم برہم ہوچکا تھا، بہت سے سامعین کرسیوں سے اٹھ کر اسٹیج کے قریب پہنچ چکے تھے، اور میرے لئے اسٹیج کا دیکھنا مشکل ہوگیا تھا۔

جب حالت قابو سے باہر ہونے لگی تو حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اپنی نشست سے اٹھکر صدر محفل جناب باقوری کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ:

"ہنگامہ کی یہ صورت افسوس ناک ہے، لیکن اگر تنقید کا موقع نہ دیا گیا تو سامعین اپنے اس احتجاج میں حق بجانب ہوں گے، اور اندیشہ ہے کہ صورت حال بالکل ہی نہ بگڑ جائے، آپ مجھے دس منٹ کے لئے اظہار خیال کا موقع دیں تو امید ہے کہ ہنگامہ فرو ہوجائے گا، بازاری انداز کا مناظرہ اور نزاع و جدال میرا مقصد نہیں ہے، میں صرف سنجیدہ علمی انداز میں اس مقالے پر تنقید کرنا چاہتا ہوں"۔

یہ بات جناب باقوری کی سمجھ میں آگئی اور انھوں نے تنقید کی اجازت دیدی، تھوڑی دیر کے بعد مفتی صاحب ڈائس پر نظر آئے تو مجمع پرسکون ہونے لگا۔ اور تقریباً ایک منٹ تک ہال تالیوں سے گونجتا رہا۔

تنقید

حضرت مفتی صاحب نے نہایت سنجیدہ اور متین انداز میں جناب مسعود صاحب کے مقالہ پر تبصرہ کرنا شروع کیا تو سامعین میں سے ایک صاحب جو جناب مسعود صاحب کے خیالات کے حامی تھے، بیچ ہی میں کھڑے ہو کر کچھ فرمانے لگے۔ لیکن شاید وہ اس سے قبل مجمع کے سامنے بولنے کی نزاکتوں سے کبھی آشنا نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے کھڑے ہونے کے بعد ایک شدید آزمائش میں مبتلا ہوگئے، ابھی وہ اٹک اٹک کر چند بے ربط سے جملے کہہ پائے تھے کہ پیچھے بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے انھیں کچھ اس انداز میں بیٹھ جانے کا مشورہ دیا کہ انھوں نے اس مشورہ کو قبول کرنے میں مطلق دیر نہ کی۔ اور جلد ہی اس آزمائش سے آزاد ہوگئے۔

حضرت مفتی صاحب نے جناب محمد مسعود صاحب کے دلائل پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ

"انھوں نے جن آیات واحادیث کے حوالے دیئے ہیں، خود انہی میں جناب مسعود صاحب کے خیالات کی تردید موجود ہے، مثلاً انھوں نے اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ سے انفرادی ملکیت کے خلاف استدلال کیا ہے، لیکن اس بات پر غور نہیں فرمایا کہ اسی کے آگے یہ جملہ بھی ہے کہ یُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ حضرت رافع ؓ کی جو حدیث جناب مسعود صاحب نے پیش کی ہے خود اس میں زمین کو عطیہ کے طور پر کسی مسلمان بھائی کو دیدینے کا حکم ہے، اور ظاہر ہے کہ عطیہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ عطیہ دینے والا اس کا مالک رہا ہو۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ اسلام میں انفرادی ملکیت کی حیثیت اور اس کے تفصیلی دلائل مجھ سے قبل حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم اپنے مقالے میں بیان فرماچکے ہیں۔ لیکن موٹی سی بات تو ہر شخص کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر انفرادی ملکیت کو تسلیم نہ کیا جائے تو زکوٰۃ، عُشر خراج، اور انفاق فی سبیل اللہ کے ان تمام احکام کا کیا مطلب رہ جاتا ہے جن سے قرآن و حدیث بھرے ہوئے ہیں؟"

مفتی صاحب کے جملے جملے پر لوگ مسرت و تائید کا اظہار کر رہے تھے۔ تقریباً دس منٹ کی تقریر کے بعد مفتی صاحب تحسین و آفرین کی صداؤں میں رخصت ہوگئے۔

حضرت مفتی صاحب کی اس تقریر کے بعد جلسے کے اختتام کا اعلان کر دیا گیا۔ اسی دن شام کو تینوں کمیٹیوں کا آخری اجلاس ہوا لیکن کمیٹیوں کی کارروائی کا کوئی اعلان نہیں کیا گیا۔

۱۳ ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ

آج اختتامی اجلاس تھا، مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات جناب خواجہ شہاب الدین صاحب صدارت کر رہے تھے، اور علامہ علاؤ الدین صاحب صدیقی اور جناب ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب شریک صدر تھے، ابتدائی کارروائی کے بعد ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب نے انگریزی میں کانفرنس کے تینوں اجلاسات کا خلاصہ پیش کیا اور اس قسم کے اجتماعات کی اہمیت پر زور دیا۔ ان کے بعد مختلف ملکوں سے آئے ہوئے مندوبین نے اپنے اپنے تاثرات کا اظہار کیا آخر میں ایران کے مندوب کی حیثیت سے ڈاکٹر حسین نصر صاحب تشریف لائے، اور چلتے چلتے وہ بڑی پتے کی باتیں کہہ گئے، کانفرنس کی مختلف تقریروں میں تبلیغ اسلام کی ضرورت پر زور دیا گیا تھا۔

تبلیغ کس کو؟

انہوں نے کہا کہ غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام کے ساتھ ہمیں اس بات پر بھی پوری اہمیت کے ساتھ غور کرنا چاہئے کہ ہم اپنے آپ کو کس طرح مسلمان بنائیں، ہماری حالت عرصہ دراز سے یہ ہوتی جارہی ہے کہ ہم اپنی نشست و برخاست کے ہر طور طریقے میں غیر مسلموں کی ادائیں اختیار کرتے جارہے ہیں، اور اسلامی آداب کو پس پشت ڈالا ہوا ہے۔ اس صورت حال کو تبدیل کرنا ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے۔"

دوسری بات انہوں نے یہ کہی کہ

"عصر حاضر میں اسلامی احکام کی تحقیق کی بڑی ضرورت ہے، لیکن اس تحقیق کا رخ صحیح اور خالصۃً اسلامی ہونا چاہئے، ورنہ اس سے کوئی حاصل نہیں کہ مقالہ کی ابتداء بسم اللہ سے ہو، اختتام نستعین پر اور بیچ میں ساری باتیں غیر اسلامی کہی جائیں۔"

خواجہ شہاب الدین صاحب

آخر میں مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات خواجہ شہاب الدین صاحب نے اپنا صدارتی مقالہ پڑھا، اس مقالے کے بنیادی نکات مندرجہ ذیل تھے۔

(۱) مسلمانوں کے زوال کا سبب ان کا مغربی اطوار کو اپنا لینا رقص و سرود کو اختیار کر لینا وغیرہ نہیں ہے جیسا کہ عام طور سے بیان کیا جاتا ہے، بلکہ اس کا اصل سبب قرآن کریم میں تدبر و تفکر کا چھوڑ دینا ہے۔

(۲) قرآن کریم کی بنیادی دعوت یہ ہے کہ کائنات میں غور و فکر کیا جائے۔ اسی لئے قرآن کریم علماء ان لوگوں کو کہتا ہے جو صحیح فکر کے ساتھ سائنس کا علم حاصل کریں، انما یخشی اللہ من عبادہ العلمٰؤ میں علماء سے مراد یہی لوگ ہیں۔

(۳) مسلمانوں کے جمود کا ایک سبب یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تاریخ کو تنقید سے بالاتر سمجھ رکھا ہے، حالانکہ یہ وہ تاریخ ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ تک کو داغدار بنا دیا ہے۔

(۴) لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ سائنس کی تعلیم کو اپنے نظام تعلیم میں سب سے مقدم رکھیں، اور طلباء میں اس انداز سے اسلامی فکر پیدا کرنے کی کوشش کریں کہ وہ اپنے تدبر کو دین کیلئے استعمال کریں۔

(۵) نیز جو روایات ہمارے معاشرے میں پھیل گئی ہیں ان پر تنقیدی نظر ڈالی جائے اور مروجہ فقہ کی اس طرح نئی تدوین کریں کہ وہ نئے تقاضوں کے مطابق ہو۔

اس مقالے نے کانفرنس کو ایک افسوسناک صورت حال سے دوچار کر دیا۔ اول تو اختتامی اجلاس اس قسم کے مسائل چھیڑنے کیلئے موزوں نہیں تھا جو بحث کو دعوت دینے والے ہوں، چنانچہ آج کے دن پروگرام میں بھی کوئی اس قسم کا موضوع نہیں رکھا گیا تھا، پھر اگر ان نظریات کا اظہار آج ہی کے دن ضروری تھا تو چونکہ مقالے کی بہت سی باتیں امت اسلامیہ کے عام مسلمات کے خلاف تھیں اس لئے ہونا یہ چاہئے تھا کہ جس صاف گوئی کے ساتھ ان نظریات

بیان کیا گیا تھا، اتنے ہی کھلے دل کے ساتھ اس پر دوسرے حضرات کے، نقطۂ نظر کو بھی سنا اور سمجھا جاتا ظاہر ہے کہ کانفرنس کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ مختلف خیالات رکھنے والے لوگ ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو دور دور سے سننے کے بجائے قریب سے سمجھنے کی کوشش کریں، لہٰذا ضروری تھا کہ خواجہ صاحب اپنا مقالہ سنانے کے بعد مجلس میں تشریف رکھتے اور دوسروں کو بھی اظہار خیال کا موقعہ دیتے جیسا کہ اس سے پہلے اجلاسات میں یہی معمول رہا خاص طور سے جبکہ انھوں نے مقالے ہی میں یہ بات صاف کر دی تھی کہ وہ یہ تمام باتیں اپنی ذاتی حیثیت میں فرما رہے ہیں، اور ان کو سرکاری حیثیت میں نہ سمجھا جائے۔

ہنگامہ

لیکن ہوا یہ کہ جب حاضرین کو تنقید کا باقاعدہ موقعہ نہ مل سکا تو انھوں نے کھڑے ہو کر مقالے پر کچھ اعتراضات کئے، اور خواجہ صاحب اس کے بعد جلد ہی کانفرنس سے تشریف لے گئے۔ اس کا نتیجہ ایک شدید ہنگامے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ حاضرین نے اپنی نشستوں سے اٹھ کر با آواز بلند مقالے پر احتجاج شروع کر دیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے جلسے کا نظام بالکل درہم برہم ہو گیا، اور کانفرنس کا آخری اجلاس جسے نہایت خوشگوار فضا میں ختم ہونا چاہئے تھا، ایک افسوسناک ہنگامے پر ختم ہوا! اس صورت حال کا جو اثر غیر ملکی مندوبین پر ہوا وہ ظاہر ہے، بعض غیر ملکی مندوبین تو خواجہ صاحب کے مقالے پر نہایت مشتعل پائے گئے۔

قادیانی تبلیغ

اسی دوران ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا جسے آخر میں سنا دینے کو جی چاہتا ہے جتنے دن غیر ملکی مندوبین راولپنڈی میں مقیم رہے ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل قادیانی صاحبان کی تگ و دو کا محور بنا رہا۔ مگر چونکہ بیشتر غیر ملکی مہمان قادیانی دین کی حقیقت سے واقف تھے۔ اس لئے ان کی طرف سے کسی غلط فہمی کا خطرہ نہیں تھا، آج تاشقند کے مفتی ضیاء الدین بابا خانوف کے نوجوان سیکریٹری مجھ سے ملے تو پوچھنے لگے کہ: "یہ احمدی کون لوگ ہیں؟" میں نے مختصراً ان سے قادیانیوں کا تعارف کرایا تو وہ کہنے لگے۔

"پرسوں میرے ساتھ عجیب واقعہ پیش آیا"

میں نے تفصیل پوچھی تو انھوں نے کہا:

"پرسوں شام کو میں ہوٹل کے لاؤنج میں بیٹھا تھا کہ ایک صاحب جو روانی کے ساتھ عربی بول رہے تھے۔ میرے پاس آ بیٹھے، اور مجھ سے تعارف پیدا کرنے کے بعد پوچھنے لگے کہ: "اس وقت آپ کا کیا پروگرام ہے؟" میں نے ان سے کہا کہ "میں ذرا شہر دیکھنے کے لئے باہر جانا چاہتا ہوں" اس پر انھوں نے اپنی کار کی پیش کش کی اور پرلے شہر میں ایک جگہ جا کر گاڑی روک دی، میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کونسی جگہ ہے؟ تو وہ جواب دینے کے بجائے مجھے اترنے کا اشارہ کر کے ایک عمارت میں لے گئے، جہاں کچھ لوگ حلقۂ درس کی شکل میں بیٹھے تھے، وہاں لیجا کر انھوں نے مجھے کتابیں دکھائیں، لوگوں سے ملایا۔ اور بتلایا کہ یہ ایک مدرسہ ہے جہاں دینی تعلیم دی جاتی ہے۔ میں نے ان سے یہاں ٹھیرنے کے بجائے شہر میں گھومنے کی بار بار خواہش ظاہر کی تو وہ ہر مرتبہ ٹال گئے، اور مجھے کافی دیر تک وہیں بٹھلائے رکھا، اسی اثناء میں وہ ایک رجسٹر لیکر آئے اور مجھ سے اس مدرسہ کے معائنہ کے تاثرات لکھنے کی فرمائش کی۔ میں ان کے پراسرار اور فریب آمیز انداز سے کھٹک چکا تھا اس لئے چند مبہم سے جملے لکھ دیئے، اس کے بعد وہ مجھے بہت سی کتابیں دے کر واپس ہوٹل لے آئے یہاں پہنچ کر میں نے کتابیں دیکھیں تو اس میں "جماعت احمدیہ" کا ذکر تھا، میں نے مفتی بابا خانوف سے اس جماعت کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ:

"یہ قادیانی مذہب کا دوسرا نام ہے، یہ لوگ مسلمان نہیں اور ایک جھوٹے نبی کو نبی یا مسیح مانتے ہیں، تمہیں ان کے ساتھ نہ جانا چاہئے تھا"

"اگلے دن شام کو میں پھر لاؤنج میں بیٹھا تھا کہ وہی صاحب پھر آئے اور کہنے لگے: "میرے ساتھ چلئے!"

مجھے ان کے کل کے طرز عمل پر سخت طیش تھا، میں نے تلخ لہجے میں ان سے کہہ دیا کہ:

"اب میں قیامت کے روز ہی آپ کے ساتھ جا سکوں گا اور جبتک آپ کو آپ کے ٹھکانے تک نہ پہنچا دوں، آپ کا ساتھ نہیں چھوڑونگا"

اسرار صاحب نے یہ آخری جملہ کچھ ایسی معصومیت سے کہا کہ میں ہنسی ضبط نہ کر سکا۔

وہیں لطفِ داستاں ہے

رات کو قرآن کونسل کی طرف سے اسلام آباد کے ہوٹل شہرزاد میں ایک عشائیہ دیا گیا تھا، کھانے سے پہلے کویت کے مندوب جناب رفاعی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ جشن نزولِ قرآن کو محض رسمی تقریبات پر ختم کر دینا قرآن کریم پر ظلم کے مرادف ہوگا، اس لئے ہمیں بلا تاخیر گفتار سے کردار کی طرف قدم بڑھانا چاہئے، اس کے بعد انھوں نے تجویز پیش کی کہ قرآن کریم کو حفظ کرانے اور اس کے الفاظ و معانی کی تعلیم کے لئے ایک ہمہ گیر تحریک چلائی جائے، تاکہ اس جشن کا کوئی عملی فائدہ سامنے آسکے۔

ان کے بعد ڈاکٹر حبیب اللہ صاحب تشریف لائے، اور انھوں نے تقریباً ۴۰ منٹ کی تقریر میں بڑے فاضلانہ انداز میں قرآن فہمی کے بنیادی اصول بیان کئے۔ سنت کی حجیت کو ثابت کیا۔ اور تفسیر قرآن کے آداب و شرائط کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے تفسیر بالرائے کی خرابیاں گنوائیں۔ اور اس چلے ہوئے نعرے کی تردید کی کہ "تفسیر قرآن کے لئے عالم دین ہونے کی شرط لگانا دین پر علماء کی اجارہ داری قائم کر دینا ہے"

تقریر کے دوران اچانک میری نظر اگلی صفوں میں بیٹھے ہوئے بعض "اسلامی محققین" پر پڑی تو دیکھا کہ انھوں نے اپنی نظریں جھکائی ہوئی ہیں، اور نہ جانے کیوں میرے ذہن میں یہ شعر رقص کر گیا کہ ؎

مرا قصۂ شبِ غم ہو بیاں تو سنئے سنئے
وہ جہاں نظر جھکا دیں وہیں لطفِ داستاں ہے